(غلام گردش)

بچوں کی حفاظت کیجئے!

ثریا کو دن میں وہی عام سے کام کرنے ہوتے تھے جو ملک میں کروڑوں خواتین روزانہ کرتی ہیں۔گھر کی صفائی، کپڑے دھونے، کھانا پکانا اور پھر اہم ترین فریضہ، اپنے چھوٹے سے بچے کی دیکھ بھال۔ پہلا بیٹا تھا۔ایک ڈیڑھ سال کا ننھا منا بچہ۔گھر گھرستی کے دوران ثریا نے بچے کو بہلانے کا ایک آسان سا طریقہ ڈھونڈ لیا۔کرتی یہ تھی کہ ٹی وی پر کارٹون نیٹ ورک کھول دیتی تھی۔معصوم بچے کو ایک چھوٹی سی کرسی پر بٹھا کر محفوظ طریقے سے بیلٹ باندھ دیتی تھی۔ بچے کا رخ ٹی وی کی طرف کرتی تھی۔ بچہ انہماک سے مسکرا مسکرا کر ٹی وی پر کارٹون دیکھنا شروع کر دیتا تھا۔ بچے کیلئے رنگ برنگے کردار ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑتے ہوئے بہت خوشگوار تھے۔چھوٹا سا بچہ ان کرداروں کو دیکھ کر مسکراتا تھا، ہنستا تھا اور تالیاں بجاتا تھا۔اسے خوش دیکھ کر ماں بھی مطمئن رہتی تھی۔اب ثریا نے یہ بھی کرنا شروع کر دیا کہ اگر گھر میں مہمان آجائیں تو بھی بچے کو چلتے ہوئے ٹی وی کے سامنے بٹھا دیتی تھی۔ باہر شاپنگ پر جانا ہو، تو ملازمہ کو ہدایت کر کے جاتی تھی کہ بچے کو ٹی وی کے سامنے بٹھائے رکھنا۔تاکہ وہ مطمئن رہے۔ بچہ آہستہ آہستہ بڑا ہونا شروع ہو گیا۔ چلنا پھرنا شروع کر دیا۔ماں نے اسے پلے گروپ میں کروا دیا۔سکول جا کر بھی بچہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ درسگاہ کی طرف سے کارٹون دیکھتا رہتا تھا۔خیر یہ معمول سا بن گیا۔جیسے ہی ماں ٹی وی بند کرتی، بچہ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیتا۔مجبوراً ٹی وی دوبارہ آن کرنا پڑتا۔جب پانچ برس کا ہوا، تو بچے نے سکول کی کتابیں پڑھنا بہت کم کر دیں۔کتابوں سے چڑ سی ہو گئی تھی۔ ہوم ورک بھی بے حد مشکل سے کرتا تھا۔ماں باپ کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ مسئلہ کیا ہے۔اپنے لعل کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی۔دوسری طرف ننھا پھول ہر وقت ٹی وی دیکھنے کیلئے بیتاب رہتا تھا۔ٹی وی بند ملے تو اس نے دوسرا کام شروع کر دیا۔باپ یا ماں کا موبائل فون اُٹھا کر کونے میں بیٹھ جاتا تھا اور گیمز کھیلنی شروع کر دیتا تھا۔ بچے کو معلوم تھا کہ سیل فون کس طرح آن کرنا ہے۔کس بٹن سے گیمز تک رسائی حاصل کرنی ہے۔گھنٹوں کھیلنے میں مصروف رہتا ہے۔ بچے کی زندگی میں اب صرف دو چیزیں اہم تھیں۔کارٹون نیٹ ورک اور سیل فون پر گیمز۔ یہ دونوں نہ ہوں، تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگتا تھا۔ ہاں، اگر کتاب سامنے آجائے، کچھ لکھنا پڑ جائے، تو بھی آنسوؤں سے روتا تھا۔ماں باپ انتہائی پریشان ہو گئے کہ بالآخر اپنے بچے کو کس طرح ٹھیک کریں۔ پانچ برس کے بچے کو مار پیٹ بھی نہیں سکتے تھے۔ایک دن باپ، بچے کو زبردستی ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ڈاکٹر نے اطمینان سے طبی معائنہ کیا۔اسکے حساب سے بچہ بالکل صحت مند تھا۔والدین نے ساری صورتحال بتائی، تو ڈاکٹر کا جواب تھا کہ میرے حساب سے آپکا بیٹا بالکل ٹھیک ہے۔واپس گھر آگئے۔وہی روٹین دوبارہ شروع ہو گئی۔دس بارہ دن بعد، صبح کے وقت بچہ اُٹھا۔کمرے میں سامنے پڑی ہوئی کرسی سے زور سے ٹکرا گیا۔کافی چوٹ آئی۔ماں باپ کی جان پر بن آئی۔اسے بہترین ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔دو چار دن میں خیر بچہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔اب وہ چھ سال کا تھا۔مگر اکثر اوقات گھر میں پڑی اشیاء سے ٹکرا کر زخمی ہو جاتا تھا۔پھر دوبارہ ڈاکٹر کے پاس گئے۔ڈاکٹر نے معائنہ کر کے جواب دیا کہ بچہ تو بالکل ٹھیک ہے۔جب واپس جا رہا تھا تو ڈاکٹر کے ذہن میں پتہ نہیں کیا آیا کہ باپ کو کہا، کہ ذرا بچے کی آنکھیں ٹیسٹ کروالیں۔باپ نے دو چار دن بعد آنکھوں کے ڈاکٹر سے وقت

لیا۔آنکھوں کے ڈاکٹر نے انتہائی توجہ سے بچے کا معائنہ کیا۔آنکھوں کی کیفیت دیکھ کر حیران رہ گیا۔عام بچوں کی قدرتی نظر 6×6 ہوتی ہے۔بچے کی نظر انتہائی کمزور تھی۔قدرتی استطاعت سے آدھی ہو چکی تھی۔ڈاکٹر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ماں سے پوچھا کہ کیا آپ بچے کو ہر وقت ٹی وی یا سیل فون پر گیمز دکھاتی رہتی ہیں۔جواب اثبات میں تھا۔ڈاکٹر نے جواب دیا۔آپ نے صرف اور صرف اپنی سہولت کیلئے بچے کی بینائی برباد کر دی ہے۔ہر وقت ٹی وی دیکھنے کی بدولت اسکی پچاس فیصد آنکھیں ضائع ہو چکی ہیں۔اسے تو کتاب کے حروف بالکل نظر نہیں آتے۔پڑھنا کیا خاک ہے۔معائنہ کے بعد، پوری عمر کیلئے بچے کو ایک موٹی سی عینک لگ گئی۔پوری زندگی کا ایسا روگ جس سے بخوبی بچا جا سکتا تھا۔ماں باپ نے اپنی سہولت دیکھی اور اپنے ہی بچے کی بینائی برباد کر دی۔یہ صرف ثریا کے گھر کی نہیں۔اردگرد دیکھیے ،تو ہر تیسرے چوتھے گھر میں آپکو یہی سب کچھ نظر آئیگا۔

بالکل اسی طرح جاوید تقریباً چودہ برس کا ہو چکا تھا۔اسے دو چیزوں کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ایک لیپ ٹاپ کمپیوٹر اور دوسرا سیل فون۔ہم جماعت بچوں کی اکثریت کے پاس دونوں چیزیں موجود تھیں۔والدین نے اپنے بیٹے کو اس نیت سے موبائل لیکر دیا تھا کہ ہر دم اسکی خیریت سے آگاہ رہیں۔لیپ ٹاپ کے متعلق معاملات بھی اس طرح کے تھے۔کہ بچہ کمپیوٹر پر تمام دنیا کی معلومات سے آگاہ رہیگا اور انکی بدولت اسکے تعلیمی معاملات بہتر ہو جائینگے۔مگر جاوید کی حد تک دونوں معاملات بالکل اُلٹ نکلے۔ہر وقت موبائل پر دوستوں سے باتیں کرتا رہتا تھا۔جہاں کہیں موبائل استعمال نہ کر سکتا، وہاں فوری طور پر بستے میں سے لیپ ٹاپ نکال کر فیس بُک اور اسی طرح کے سماجی رابطوں کی مختلف ویب سائٹس پر چلا جاتا تھا۔سکول کے علاوہ گھر جا کر بھی یہی حال تھا۔جیسے ہی گھر پہنچتا تھا تو ہوم ورک کی کوئی بھی فکر نہیں ہوتی تھی۔وہی سیل فون پر گھنٹوں باتیں اور پھر طویل وقت کیلئے کمپیوٹر پر اوٹ پٹانگ سائٹس دیکھتا رہنا۔ایک دن والد، رات تین بجے کے قریب اُٹھے، بیٹے کے کمرے کے سامنے سے گزرے تو لائٹ آن تھی۔وہ جاگ رہا تھا۔باپ کی طبیعت خوش ہو گئی کہ بیٹا ماشاءاللہ محنت کر رہا ہے۔امتحان بھی نزدیک تھے۔شاباش دینے کیلئے بیٹے کے کمرے میں داخل ہوا، تو دیکھا کہ بیٹا لیٹے ہوئے کسی سے سیل فون پر باتیں کر رہا ہے۔سامنے لیپ ٹاپ بھی کھلا ہوا ہے۔کتابوں کا نام ونشان تک نہیں تھا۔لگتا تھا کہ کمرے کا کتابوں سے تعلق ہی نہیں ہے۔سکول کی تمام کتابیں بستے میں بند تھیں۔معلوم ہوتا تھا کہ انہیں کبھی باہر نکالا ہی نہیں گیا۔بیٹا، اپنے والد کو دیکھ کر گھبرا گیا۔فوراً سیل فون بند کر دیا اور کمپیوٹر بھی دھرا کر کے رکھ دیا۔باپ نے زبردستی لیپ ٹاپ کھولا۔جو ویب سائٹ بچہ دیکھ رہا تھا، وہ ہر طریقے سے غیر اخلاقی تھی۔باپ نے اپنے بیٹے کو بے حد ڈانٹا۔دو تین تھپڑ بھی جڑ دیے۔واپس آ کر بیوی کو اُٹھایا۔لڑنا شروع کر دیا کہ تم نے کبھی بیٹے پر نظر ہی نہیں رکھی کہ وہ کیا کر رہا ہے۔صبح سکول جا کر اسکے گریڈ چیک کرو۔بچہ تو تباہ ہو رہا ہے۔اگلے دن سکول پہنچے۔پرنسپل سے بچے کا تعلیمی ریکارڈ نکلوایا تو پیروں تلے زمین نکل گئی۔بچہ ہر مضمون میں رعائتی نمبروں سے پاس ہو رہا تھا۔یہ اسلام آباد کا ایک بہترین نجی سکول تھا۔لہذا پرنسپل نے بچہ کو سکول سے نہیں نکالا۔سکول کو تو صرف اور صرف فیس سے غرض تھی۔بچہ پاس ہو یا فیل ہو یا برباد ہو جائے ،انہیں اس سے کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ماں باپ واپس آئے اور ان میں شدید لڑائی شروع ہو گئی۔باپ نے ماں کو کہا کہ تم بچے کی تعلیمی بنیاد ہی نہیں رکھ سکیں۔تمہاری وجہ سے بچہ اب ہر درجہ نالائق ہو چکا ہے۔اسکی تربیت ہی ٹھیک نہیں ہوئی۔جھگڑا ختم ہوا۔تو والد گہری سوچ میں ڈوب

گیا۔آخر کیا وجہ تھی کہ انکا بیٹا، تعلیمی دوڑ میں اتنا پیچھے رہ گیا۔خیال آیا کہ موبائل فون اور لیپ ٹاپ تو برتھ ڈے پر خود اس نے بڑے چاؤ سے لیکر دیے تھے۔نالائقی کی اصل بنیاد تو ان اشیاء نے ڈالی ہے۔اس کے اپنے اندر شدید احساسِ ندامت پیدا ہو گیا کہ بیٹے کو تو خود اس نے اپنے ہاتھوں سے تباہ کیا ہے۔اگر قصور لڑکے کا ہے تو پچاس فیصد قصور اسکا اپنا بھی ہے۔باپ نے ہاتھ پیر جوڑ کر موبائل فون اور لیپ ٹاپ واپس لیا اور بچے کو حکم دیا کہ تعلیم پر توجہ دے۔قصہ کوتاہ یہ کہ ان دو اشیاء کے ضبط ہونے سے بیٹا کافی حد تک سدھر گیا۔تعلیم میں بھی دلچسپی لینے لگا۔باپ اب صرف ہفتے یا مہینے میں چھٹی والے دن اسے دونوں سہولتیں واپس کرتا ہے۔استعمال کے بعد بیٹا خود یہ سب کچھ ماں کے پاس جمع کروا دیتا ہے۔

سیل فون اور لیپ ٹاپ لڑکیوں میں جو منفی اثرات پھیلا رہا ہے۔اسکا احاطہ کرنا میرے لیے ناممکن ہے۔بچی کس سے بات کر رہی ہے، کس سے فیس بُک پر دوستی کر چکی ہے، اسکی تعلیم اور کردار پر ان چیزوں کے کیا منفی اثرات پڑ رہے ہیں۔مجھے لکھتے ہوئے بھی جھجک محسوس ہو رہی ہے۔مگر اب ہماری سوسائٹی میں بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کا کلچر بالکل عام ہو چکا ہے۔اسکی بنیاد کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔

مسئلہ یہ ہے کہ اب کیا عملی اقدامات اُٹھائے جائیں۔سب سے پہلے تو والدین کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں اور بچیوں کو قطعاً موبائل فون اور لیپ ٹاپ خرید کر نہ دیں۔ذہنی پختگی آنے پر ہی ان چیزوں کا استعمال مناسب نظر آتا ہے۔حکومتی سطح پر سرکاری اور نجی سکولوں اور کالجوں کے اندر موبائل فون کا استعمال ممنوع ہونا چاہیے۔نوجوان بچوں اور بچیوں پر خاص نظر رکھنی چاہیے کہ وہ ان اشیاء کا غلط استعمال تو نہیں کر رہے۔جب تک اولاد اپنا نفع اور نقصان سمجھ نہ پائے، انہیں ان چیزوں سے مکمل طور پر دور رکھنا چاہیے۔ذاتی طور پر سیل فون اور کمپیوٹر کے قطعاً خلاف نہیں ہوں۔مگر انکے غلط استعمال کے سخت خلاف ہوں۔ہمارے بچوں اور بچیوں نے زمانے کے ساتھ چلنا ہے۔ضرور چلنا ہے۔مگر کب اور کن شرائط پر۔اس فیصلے میں والدین، سکول، کالجوں کے سربراہان اور اساتذہ کی بھاری ذمہ داری ہے۔اس پر ضرور غور کیجئے۔ہر قیمت پر اپنی اولاد کی مدد کیجئے اور انکی حفاظت کیجئے!

راؤ منظر حیات